عطیہ فیض بلوچ

پی ایچ ڈی اسکالر اردو، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

انشاء کے تجربات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Atiya Faiz Baloch

PhD Scholar Urdu, Balochistan University, Quetta

Research and critical review of Insha's experiments

"Syed Insha is a famous Urdu poet and prose writer. He was born in Murshidabad, India. His father's name was Mir Mashallah Khan. Syed Insha's grandfather was Mir Noorullah Hakim. Belonging to a scholarly and literary family, he spoke Turkish, Hindi, Arabic, Persian, European, Pashto, Punjabi, Kashmiri and Bengali fluently. Thanks to this linguist, he worked in prose. In prose Syed Insha wrote two stories. In both of them, he had two different experiments. In the story of Rani Ketki, Insha did not use any words of Persian and Arabic. For him Urdu is a separate language apart from these two languages and without the use of these two languages, excellent writing can also be written in Urdu. In Silk -e-Gohar he used words that not have dots that is, he wrote the story with pointless words. Both these experiences of Syed Insha are valued in Urdu literature. Because no other literature has adopted this style."

انشاء اللہ خاں ، میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے اور میر نوراللہ خاں کے پوتے تھے۔ بزرگوں کا وطن نجف اشرف اور پیشہ طبابت تھا۔ اسی پیشے کی بدولت ہندوستان آنا ہوا۔ روایت ہے کہ حکیم میر نوراللہ خاں، فرخ سیر کی دعوت پر علاج کرنے کیلئے دِلی آئے تھے۔ پھر اسی شہر کے ہو کر رہ گئے۔ اور امرائے شاہی میں داخل ہوئے۔ نوراللہ خاں تو دَلی میں ہی رہے مگر میر ماشاء اللہ خاں دلی سے نکلے اور مرشد آباد پہنچے۔ انشاء اللہ خاں اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ یہ نواب سراج الدولہ کا زمانہ تھا۔ جنگِ پلاسی کی تباہی کے بعد لکھنؤ آئے۔ اس وقت انشاء سولہ برس کے تھے۔ اسی سنہ میں وہ شجاع الدولہ کے دربار میں پہنچے اور ان کے جلیسوں میں شامل ہوئے۔ شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ پھر باپ بیٹے گھومتے پھرتے دلی پہنچے۔ جہاں شاہ عالم کا دربار سجا تھا۔ شاہ عالم خود بھی شاعر تھے لہذا

انشاء اہل دربار میں شامل ہوگئے۔ یہاں انھوں نے اپنا خوب رنگ جمایا۔ سید انشاء جس خمیر کے بنے تھے اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ شاعر بنتے وہ ترکی، ہندی، عربی، فارسی، پوربی، پشتو، پنجابی، کشمیری، بنگلہ وغیرہ پر بھی عبور رکھتے تھے۔اسی زبان دانی کی بدولت انھوں نے نثر میں بھی کام کیا۔ وہ نظم و نثر دونوں میں یکساں رواں تھے۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی وغیرہ میں طبع آزمائی کی۔ نثر میں کہانیاں لکھیں، واقعہ نویسی کی، مزاح نگاری کی اور علمی کام کیا۔ "دریائے رطافت" اس کی عمدہ مثال ہے۔

سید انشاء نے دو کہانیاں لکھی ہیں۔ "سِلک گوہر" اور "کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی۔" دونوں کہانیوں میں کچھ تجربے کئے گئے ہیں۔ اُس عہد میں اردو شاعری اپنے قدم جما چکی تھی اس لئے وہاں تجربات کی گنجائش ہوسکتی تھی۔ مگر اُردو نثر نے زیادہ مرحلے طے نہیں کئے تھے۔ بیان کے اسلوب ابھی بن رہے تھے۔ ایسے میں تجربے کرنے کی نیت کرنا خود کو مشکل میں ڈالنے والی بات تھی۔ لیکن انشاء نے دو کہانیاں لکھ کر اُردو نثر میں دو تجربے کر ڈالے۔ "سِلک گوہر" غیر منقوط نثر لکھنے کا تجربہ ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی خالص اُردو لکھنے کا تجربہ ہے۔ ادب میں تجربے کرنے کی اپنی ایک قدر و قیمت ہے۔ اس سے اظہار کے نئے راستے دریافت ہوتے ہیں اور ادبی روایت میں بیان کی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن آخر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ تجربے کے نتیجے میں فن پارہ کس قدر و قیمت کا حامل رہا۔

جدت پسند طبیعت کی بدولت سید انشاء نے ایک ایسی کہانی لکھنے کی ٹھانی کہ جس میں عربی اور فارسی کے الفاظ نہ ہوں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اُردو ان دو زبانوں سے الگ ایک زبان ہے۔ جس کا اپنا مزاج اور اپنا قانون ہے۔ لہٰذا رانی کیتکی کی کہانی لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اُردو میں عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال کئے بغیر بھی اظہار ممکن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اُردو ان دونوں زبانوں سے استفادہ کئے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ اسلوبی فرق کے علاوہ اس کہانی کی جو فضا ہے وہ صرف انشاء کے ہاں پہلی مرتبہ تعمیر نہیں ہوئی بلکہ اس کی جھلکیاں ان کی دوسری تحریروں میں جابجا نظر آئیں گی۔ ایسے لفظ، اشارے کنائے،، علامتیں اور تلمیحیں، جن سے اس کہانی کی فضا مرتب ہوئی ہے ان کی غزلوں میں جابجا بکھری ہوئی ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی سید انشاء اللہ خاں کی جدت پسند طبیعت کا کارنامہ ہے۔ یہ کہانی تحریر کرنے کے حوالے سے خود انشاء کہتے ہیں،

"ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی کوئ کہانی ایسی کہئے جس میں ھندی چُھٹ اور کبو لیکی پُٹ نہ ملے تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے۔"(۱

جی میں آئی ہوئی بات کو انشاء نے عملی جامہ یوں پہنایا کہ رانی کیتکی اور کنور اودھے بھان کی داستان عشق تحریر کر ڈالی۔ قصہ بالکل سادہ ہے۔ راجہ سورج بھان کا بیٹا کنور اودے بھان شکار کھیلتے کھیلتے دور نکل جاتا ہے اور مہاراجہ جگت پر کاش کی بیٹی رانی کیتکی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ داستان میں طرح طرح کے حالات بمعہ جزئیات تحریر کئے گئے ہیں۔ محبت کی باتیں، اشارے کنائے، چھیڑ چھاڑ، دوستی و دشمنی، وصل و فراق، تعویذ گنڈے، سحر و طلسم، شادی کا سماں، لڑائی کی تفصیل، شہر و بازار کی آرائش اور سجاوٹ، عضہ و نفرت غرض کہ سبھی کچھ ہے۔ ہندی تہذیب میں رچی بسی یہ کہانی کسی قدیم سنسکرتی قصے کا ترجمہ نہیں ہے۔ مگر جن اجزاو عناصر سے اس کہانی کا خمیر اٹھا ہے۔ وہ فکشن کی اسی قدیم ہندی روایت سے ماخوذ ہیں۔ یہ تمام اجزا و عناصر ہندی اجتماعی تخیل میں رچے بسے ہیں۔ لہٰذا اس کہانی کی تہہ میں ہندو معتقدات اور توہمات کار فرما نظر آئیں گے۔

رانی کیتکی کی کہانی پرانے طرز کا مختصر سا افسانہ ہے۔ لیکن عام داستانوں سے جدا۔ یہاں دیو، پری یا جادو گرنی نہیں بلکہ ایک جوگی مہندر گر اور اس کے ساتھی ہیں۔ ان کے پاس چند ایسی قوتیں ہیں جن سے انسانوں کو ہرن بناتے، ایسا بھبھوت جسے آنکھ میں لگانے سے سب کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتے، منہ میں گٹکے رکھ کر ہوا میں اڑتے۔ قصے کے آخر میں اندر اور دوسرے دیوتاؤں کا ذکر بھی آتا ہے۔ ہندی کہانیوں میں دیوی دیوتاؤں کا تذکرہ ان کے مذہب کا اثر ہے۔ قصے میں رانی کیتکی کا کردار نہایت جان دار ہے۔ وہ نہایت صاف دل اور معصوم ہے۔ جو بات دل میں ہو زبان پر لے آتی ہے۔ واردات قلبی کا اظہار اپنی سہیلی مدن بان سے بلا حیل و حجت بیان کرتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند رانی کیتکی کی اس کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"دوسرے داستان نویس ایسے موقع پر ضرور گرما گرم لطیفوں، فقرہ طرازیوں اور چھینٹوں کی بہار دکھاتے۔ یہاں ہر کام صاف گوئی اور سنجیدگی سے ہو گیا ہے۔ کیوں کہ جانبین کے دل بلکل سادہ و معصوم ہیں۔(۲)

رانی کیتکی کی طرح کنور اودھے بھان کا کردار بھی معصومیت سے لبریز ہے۔ دیگر کرداروں میں رانی کیتکی کی سہیلی اور ہم راز مدن بان اہم ہے جو ہر موقع پر انتہائی سمجھداری سے اس کا ساتھ دیتی ہے۔ مختصر سے اس قصے میں دونوں راجاؤں کا رکھ رکھاؤ، جشن اور شادی کے موقع پر ان کی آرائش سید انشاء کے قلم کا کمال ہے۔ ان کی زیب وزینت ہندو معاشرت کی حقیقی تصویر ہے۔ شادی کی تیاریوں اور جشن کے بیان کو بیس صفحات پر پھیلا دیا ہے۔ قصے میں اہل طرب کو گوئے، نچوئے، بھانڈ، بھگتے، ڈھاڑی، سنگیت، ناچنے والے جیسے ناموں سے پکارا ہے۔ راگوں میں یمن کلیان، سدھ کلیان، جو نتی، کانھڑا، کھنباچ، سوھنی، پرج، بہاگ، سوہرٹ، کانگڑا، بھیروی، کھٹ للت اور بھیروں جیسے مشہور راگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ سامان طرب میں مردنگ، بین، جلترنگ،

مون چنگ، گھونگھرو، تبلے، کٹ تال جیسے باجوں کے نام گنوائے ہیں۔ کہانی میں بجری سواریوں کیلئے بجرے، بھولئے، لچکے، مور پنکھی، سونا مکھی، سیام سندر، رام سندر، تواڑے جیسے انوکھے نام منتخب کئے ہیں۔ انشاء کے نزدیک یوں قسمیں گنوانے کا مقصد داستان کی روایت کا احترام کرنا ہے۔

رانی کیتکی کی کہانی تحریر کرنے سے پہلے انشاء نے ذہن میں جو بات رکھی تھی کہ اس کہانی میں عربی و فارسی کا کوئی لفظ نہیں لائیں گے۔ اپنی اس بات پر آخر تک قائم رہے اور ہندی الفاظ کو بڑے حسن اور سلیقے سے استعمال کیا ہے۔ بول چال کے آسان اور سادہ الفاظ میں اس قدر معنویت اور صداقت پیدا کی ہے۔ جو طول و طویل بیانات پر بھاری ہیں۔ داستان میں ہندی کی سادگی اور انشاء کی فطری شوخی کا بڑا کامیاب ملاپ ہے۔ آرزو چودھری انشاء کی اس تخلیق کے بارے میں کہتے ہیں:

"انشاء نے بات نبھانے کی تابہ مقدور مساعی کی ہے۔ قصہ مروجہ داستانوں کے ڈھنگ پر ہوتے ہوئے بھی ان سے کچھ ممیز ہے۔"(۳)

اسلوب کے نت نئے تجربات بھی اس داستان میں کئے گئے۔ نئی تشبیہات اور استعارے کرداروں کی زبانی بیان ہوئے ہیں۔ ان میں بعض ہندی سے مستعار لئے اور بعض اُن کی اپنی ذہن کی اختراع ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں، یہ کل کا پتلا جو اپنے اس کھلاڑی کی سدھ رکھے تو کھٹائی میں کیوں پڑے۔ موروتوں کو جی دان دیے۔ مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں جو اپنے کمھار کے کچھ کرتب بتا سکے۔ ٹھنڈی سانس کا ٹھوکا دھیان کا گھوڑا۔ بول چال کی دلہن کا سنگھار۔ وغیرہ۔ تشبیہات و استعارت کے علاوہ انشاء نے بول چال کی زبان کو نظر میں رکھا ہے اسی لئے اس داستان کو پڑھ کر سنائی ہوئی کہانی کا مزہ آتا ہے۔ قصہ فعل ماضی میں بیان کیا گیا ہے لیکن بیچ بیچ میں حال کا صیغہ استعمال کرنے سے کہانی پن آجاتا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر کہتے ہیں، اودے بھان پڑا پڑا اپنے جی سے باتیں کر رہا تھا اتنے میں کیا ہوتا ہے جو رات سائیں سائیں بولتے لگتی ہیں اور ساتھ والیاں سب سو رہتی ہیں۔ رانی کیتکی اپنی سہیلی مدن بان کو جگا کر یوں کہتی ہے۔ داستان کے تمام مکالمے بالکل بات چیت کی زبان میں ہیں۔ قصے کے آخر میں کیتکی اور مدن بان کی گفتگو میں دو شوخ و چنچل لڑکیوں کے پر لطف رمز و کنائے بہترین ہیں۔ اُردو والوں میں ہندو عورتوں کی بول چال کی زبان لکھنا ہی انشاء کا کمال ہے۔

سید انشاء اُن قصہ نویسوں میں سے نہیں ہیں۔ جو محض معاشرتی حقیقت نگاری کے زور پر تہذیب کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثنوی ہو، داستان ہو یا ناول ہو، ان کے لکھنے والوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ قدم قدم پر رکتا ہے۔ کہانی کو پس پشت ڈالتا ہے اور کسی بھی معاشرتی عمل کو اس کی ساری جزئیات و تفصیل کے ساتھ بیان

کرنا شروع کر دیتا ہے۔ سید انشاء کا انداز یہ نہیں ہے۔ وہ معاشرتی مرقعوں کی خاطر کہانی کہنا نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی کہانی ایسی ہوتی ہے جس کا خمیر ایک مخصوص تہذیب سے اٹھا ہو، وہ تہذیب اپنے عقائد، توہمات اور روایات کے حوالے سے کہانی کے رگ رگ میں بسی ہوتی ہے۔ مگر معاشرتی رنگ کو انھوں نے یکسر مسترد بھی نہیں کیا ہے۔ کہانی بیان کرتے کرتے جب اودھے بھان اور کیتکی کی شادی کی منزل آتی ہے۔ تب انشاء معاشرتی جزئیات نگاری کی طرف رخ کرتے ہیں۔ شادی کی تیاریاں، بارات، رخصتی وغیرہ کا بیان اس کہانی میں جزئیات نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ شادی کی تقریب کے بیان سے ایک پورا معاشرہ اپنے تمام رسم و رواج کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ یہ بات معنی خیز ہے کہ انشاء نے پورے قصے میں صرف شادی کی تقریب کو ہی جزئیات نگاری کیلئے منتخب کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تہذیب میں شادی کی تقریب ہی ایک نمائندہ معاشرتی تقریب ہے اور صرف اس ایک تقریب کو بیان کرکے اس پوری معاشرت کا نقشہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ "سِلک گوہر" بھی نثر میں ایک تجربہ ہے مگر "رانی کیتکی کی کہانی" سے مختلف قسم کا رانی کیتکی کی کہانی عربی و فارسی لسانی اثر سے آزاد زبان میں لکھنے کا تجربہ ہے۔ سِلک گوہر غیر منقوط نثر لکھنے کا تجربہ ہے۔ سید انشاء کا یہ تجربہ ان کے رانی کیتکی والے تجربے سے اور بھی کئی معنوں میں مختلف ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی وہ تجربہ ہے جو انشاء کی اپنی ذات کی گہرائیوں سے ابھرا تھا۔ وہ ایک ایسی ذات تھی جس نے ہندی روایت سے نموپائی تھی اور وہ اپنے اظہار کی تلاش میں تھی۔ غزل میں اس کا بھرپور اظہار ممکن نہ ہوا تو ایک کہانی کی صورت میں اس کا مکمل اظہار ہو پایا۔ یوں رانی کیتکی کی کہانی محض خالص اردو لکھنے کا تجربہ نہیں ہے بلکہ ذات کی گہرائیوں سے ابھرے ہوئے ایک تجربے کا تخلیقی اظہار ہے۔ سید انشاء دو تہذیبی منطقوں میں بٹے ہوئے آدمی تھے۔ ایک تہذیبی منطقے کا تعلق میلوں ٹھیلوں سے اور دوسرے کا دربار سے تھا۔ پہلے میں ان کی روح آباد تھی اور دوسرا ان کیلئے زندگی گزارنے کا وسیلہ فراہم کر رہا تھا۔ اس طرح ان کی شخصیت دورنگی ہو گئی تھی۔ یا دوسرے الفاظ میں اصل زندگی پر درباری زندگی کا خول چڑھ گیا تھا۔ بے نقط زبان لکھنے کی انشاء کی کوشش دراصل اُسی اوپر والے خول کی ترجمانی کرتا ہے۔ غیر منقوط لکھنے کا چسکا ان کے درباری زندگی کے طفیل پیدا ہوا تھا۔ شاعری میں بھی انھوں نے اس کا استعمال کیا۔ بے نقط قصیدہ لکھا، ایک بے نقط مثنوی فارسی میں لکھی، ایک بے نقط دیوان اُردو میں ترتیب دیا۔ یہ ساری غیر منقوط شاعری ان کی کلیات میں شامل ہے۔ جب کہ "سِلک گوہر" غیر منقوط داستان ہے۔

"سِلک گوہر" کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ماہ ساطع ولد مہر طالع مالک روس ایک ہرن کا تعاقب کرتے ہوئے راستہ بھول کر ملکۂ گوہر کے قلعہ میں داخل ہوتا ہے۔ وہ پھولوں کا موسم ہے اور ہر طرف لالا حمرا کھلا ہے۔ ماہ ساطع ملکہ گوہر آرا کے محل کی دل کشی وزیبائی دیکھ کر اپنا درد والم بھول جاتا ہے۔ ملکہ گوہر آرا کو اس کے بارے میں پتہ چلتا ہے تو وہ اپنی ہم راز، ہم عمر ماہ رو کو بھیجتی ہے کہ شاہِ روس کو لے کر آؤ۔ اس واقعے کو سید انشاء بے نقوط انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

حال کا مطلع ہوا۔ اُس دم محرمِ اسرار،

مہر کردار، ہم عمر، ماہ رو کو کہا کہ "

ادھر آؤ، اور اس کو لاؤ۔ (۴)

ماہ ساطع محل میں جاتا ہے اور ملکۂ گوہر آرا کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اسے اپنا دل دے بیٹھتا ہے۔ ملکہ سے جدا ہو کر وہ دو سال تک بھٹکتا رہتا ہے اور پھر کوہِ طلاہ پر ایک صد سالہ مرد سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ وہ بزرگ دونوں کو ملانے کی حامی بھرتا ہے اور کچھ طلسمی اشیاء پیش کرتا ہے۔ ساتھ ہی اپنی پوتی گل رو سے اس کی ملاقات کرواتا ہے۔ گل رو اسے ملکۂ سے ملانے میں مدد کرتی ہے۔ کہانی میں مختلف طلسماتی موڑ آتے ہیں۔ گل رو ہُدہُد بن کر دونوں کو ملواتی ہے۔ داستان کے آخر میں مہر و مُہر اور گواہان وو کلاء کی موجودگی میں عاشق و معشوق کی شادی ہو جاتی ہے۔

اس زمانے میں بے نقط تحریر لکھنا قدرت اظہار کا اعلان سمجھا جاتا تھا اور سید انشاء ایسے تجربات کر کے مخالفین کو نیچا دکھاتے تھے۔ بے نقط نظم و نثر بھی ان کیلئے اسی قسم کا مشغلہ تھی۔ پس بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جہاں انھوں نے فارسی اور اُردو میں بے نقط شعر لکھ کر اپنی قادر الکلامی کا مظاہرہ کیا وہاں نثر میں بھی یہ جوہر دکھانے کی ٹھانی اور سِلک گوہر لکھ ڈالی۔ دراصل یہ کہانی کسی گہرے تجربے سے بر آمد نہیں ہوئی ہے بلکہ اپنی قدرت اظہار ثابت کرنے کی کوشش اور ہم عصروں پر اپنی برتری دکھانے کی خواہش کے تحت پیدا ہوئی ہے۔ اور قدرت اظہار یہ ہے کہ سید انشاء نے اپنے اوپر جو پابندی عائد کی اسے جیسے تیسے نباہ تو لیا ہے لیکن اس میں اظہار بہت رک رک کر ہوتا نظر آتا ہے۔ اصل میں بے نقط زبان لکھنے کا التزام اتنی سخت پابندی ہے کہ اس سے بیان کے بہت سے راستے رک جاتے ہیں۔ کہانی پڑھتے پڑھتے ہر جگہ یہ احساس ہوتا ہے کہ انشاء کیلئے ان سخت پابندیوں کے ساتھ چلنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ انشاء کے وہ الفاظ جو انھوں نے رانی کیتکی کی کہانی لکھتے ہوئے کہے تھے کہ کہانی ایسی کہیے کہ جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے تو ان کی اس بات کا اطلاق سِلک گوہر پر نہیں ہوتا۔ یہ کہانی انھوں نے

لکھ تو ڈالی مگر جی ان کا پھول کی کلی کے روپ سے کھلتے کھلتے رہ جاتا ہے۔ بے نقط نثر کی خامیوں پر ڈاکٹر گیان چندیوں روشنی ڈالتے ہیں:

> "بے نقط کی قید کی وجہ سے اس قدر بے لطفی پیدا ہوگئی ہے کہ پوری داستان کا پڑھنا تقریباً محال ہوگیا ہے۔ زبان یوں ہی اُردو کے روزمرہ سے کوسوں دور ہوگئی تھی، اس پر انشاء کی بے نمک ظرافت ستم بالائے ستم ہے۔(۵)

سید انشاء نے بے نقط نثر تحریر کر کے اپنے آپ پر اظہار کے بہت سے رستے بند کر لیے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا قلم روانی سے نہیں چلتا۔ سوچ سوچ کر لکھنے میں وہ قلم ایک مخصوص دائرے کے اندر گھومتا ہے گنے چنے الفاظ ہیں جن سے وہ باہر نہیں نکلتے گھوم پھر کر وہی الفاظ بار بار داستان میں آگئے ہیں گنے چنے الفاظ کے استعمال سے تحریر میں تکرار لفظی بڑھ گئی ہے ان میں سے اکثر الفاظ ایسے ہیں جو بول چال کا حصہ نہیں ہیں اور نہ ہی تحریروں میں استعمال ہوتے ہیں انشاء کو بے لفظ نثر میں اظہار مطلب کی مجبوری کے تحت عربی اور فارسی سے ایسے الفاظ چننے پڑے جن سے زبان اردو ناواقف تھی اسی کے ساتھ انھیں ہندی الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ سلگ گوہر سے نکالنا پڑا۔ کیونکہ انہوں نے ٹ ڈ اور ڑ کو بھی نقطے والے حروف کے ذیل میں ڈال دیا۔

ملک روس اور ملکہ گوہر آرا کی داستان عشق کی زبان اپنے اندر گہرائی رکھتی ہے اسلوب کا اچھوتا تجربہ اپنے اندر نظیر نہیں رکھتا۔ قافیہ پیمائی کی کئی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ اوہو، سوہو، مدوحۂ سماوسمک، کا کل دود آہ ملک۔ گل رو کا مسکرا کسمسا کر، کمر کو لھا ہلا کر، گو کل کا سارا ادا سا، اور ادھر کا ادھو دارلا سا، کہک کہک، سلگ سلگ مہمل الفاظ کا سہارا بھی لیا گیا ہے۔ مثلاء کاسہ واسہ، سرمہ اُرمہ، رساوسا، عصاوصا، راگ واگ، سلام ولام، سادھو مادھو ہد ہد، وُدہد، کو کلا وکلا، اہلا گہلا، اور غنائیت پیدا کرنے والے الفاظ بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔ مدار مدار د مدار، سالار سالار سالار۔ اُہو ہو ہو، اہاہاہا۔ رومال ہلا ہلا کر، رورورلا کر۔ دِر دِر، دِر دِر، درا۔ آہ دِر دِر، دِر دِر، دَرادَرا۔ ان الفاظ کے علاوہ سید انشاء نے دیگر داستان نگاروں کی طرح قصے میں اشعار کی چمک دمک بھی بھر دی ہے۔ انھوں نے "سَلک گوہر" میں تجربات کی بھرمار کر دی ہے۔ غیر منقوط الفاظ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے منقوط الفاظ کو غیر منقوط الفاظ کے قالب میں ڈھالنے کی بھی سعی کی ہے جیسا کہ کلم (قلم) اکلا (اکیلا) کد (کب) دوس (دوش) علاحدہ علاحدہ (علیحدہ علیحدہ) سمبھال (سنبھال) دوسری داستانوں کی طرح اس میں بھی کچھ طلسمی اشیاء کا ذکر موجود ہے۔ اشیاء کے نام بھی وہی ہیں جن میں نقطے نہیں ہیں سرمہ، کاسہ، طلسمی رسا، موسا کا عصا۔ یہ

قصہ در حقیقت غیر منقوط الفاظ کا ایک ایسا کھیل ہے۔ جس میں سید انشاء جیسا ماہر الفاظ کھلاڑی سخت اور کڑوے کسیلے الفاظ میں گھر کر رہ گیا ہو۔

"سِلک گوہر" کو انشاء کے بے نقد شاعری کے تسلسل میں پڑھا جا سکتا ہے۔ مگر وہ بھی ایک حد تک۔ یہ قصہ دیوان بے نقد سے کسی نہ کسی حد تک متاثر نظر آتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ دونوں کی لغت ایک سے الفاظ پر مشتمل ہے۔ دوسری بات یہ کہ دیوان کے مختلف اشعار کہانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ اشعار کرداروں کے مکالموں کی صورت داستان میں موجود ہیں۔

آگ لگاؤ گرم ہو آہ رہا سہا کرو

وہ کہ دراؤ والا ہو اس کو اکل کھرا کرو

گو کل کو مور لا کوک رہو ہو

رادھا ہر کا ہو اور سدھارو

ہاہا اودھو ہر دوار کا کو سدھارو

کاہو کہا دوس سگرو دوس ہمارو

"سِلگ گوہر" کو پڑھ کر سوال ذہن میں آتا ہے کہ انشاء کے نزدیک اسے تحریر کرنے کا مقصد کیا تھا۔ آیا وہ صرف کہانی لکھنا چاہتے تھے؟ یا اشعار کے ذریعے سُر سے سُر ملانا چاہتے تھے؟ داستان عام عشقیہ قصے کا عکس ہے۔ جس میں واقعات کا اتار چڑھاؤ نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ ہی کہانی میں کوئی نیا پن ہے۔ نمائندہ کردار بھی صرف تین ہی ہیں ملک روس، ملکۂ گوہر آرا اور اس کی سہیلی گل رو۔ ملک روس گوہر آرا پر عاشق ہے اور گل رو ملک روس پر۔ تینوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے نظر آتے ہیں۔ کہانی سے ہٹ کر انشاء کا مقصد حسیاتی تجربوں کا تخلیقی بیان ہے۔ انھوں نے اس تین کرداری مثلث کو کچھ ایسی شکل دی کہ تجربے کی حِدت بھی برقرار رہے اور حسیاتی کیفیت بھی زائل نہ ہو۔

میر امن دہلوی باغ و بہار کے اختتام پر دعائیہ کلمات کہتے ہیں بالکل اُسی طرح "سِلک گوہر" کے اختتام پر بھی سید انشاء کچھ یوں دعا مانگتے نظر آتے ہیں؛ الحاصل اُس حور ماہ آسا کا وصل اس سروِ دلآرا کو حاصل ہوا۔ اولو گو، سر کھول کھول کر دعا کرو کہ الہا، اس طرح کہ ملکۂ گوہر آرا اور ماہ ساطع کا ہمد گر مدعا ملا، اس طرح ہمارا اور کل عالم کا دل مسرور اور دکھ دلدر دور ہو۔

سید انشاء ایک ہمہ گیر شخصیت تھے۔ ان کی شخصیت پر امیر خسرو کا رنگ غالب تھا لیکن وہ اپنے آپ کو شیخ سعدی کہنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ شیخ سعدی وقت ہے انشاء تو ابو بکر سعدِ زنگی ہے

ایسی شخصیت کی تحریر کے مختلف انداز ہو سکتے ہیں عربی فارسی سے آزاد نثر اور غیر منقوط الفاظ سے کہانی گھڑنا ان کی اسی شخصیت کا خاصہ ہیں۔ ان کی تحریر کے یہ انداز ہر ناقد کی نظر میں مختلف رائے ضرور رکھتے ہیں۔ لیکن اُردو ادب میں انشاء کے اچھوتے کارنامے یاد رکھے جائیں گے۔

انھوں نے مختلف اصناف اور مختلف میدانوں میں طبع آزمائی کی۔ ان کی ہفت رنگی شخصیت نے اظہار کیلئے بہت سے میدان منتخب کئے جیسا کہ:

۱۔ دیوان غزلیات اُردو۔

۲۔ دیوان ریختی

۳۔ قصائد اردو و فارسی۔

۴۔ دیوان غزلیات فارسی۔

۵۔ مثنویاں فارسی اور اُردو میں۔

۶۔ ہجویات۔

۷۔ دیوان بے نقط۔

۸۔ شرح ماتہ عامل۔

۹۔ متفرق اشعار، رباعیات، قطعات، فردیات، چیستان، پہیلیاں۔

۱۰۔ دریائے لطافت۔

۱۱۔ لطائف السادات۔

۱۲۔ ترکی روزنامچہ۔

۱۳۔ رانی کیتکی کی کہانی۔

۱۴۔ سِلک گوہر۔

یہ فہرست اُس ہمہ گیر شخصیت کی تخلیقات کی ہے جو کسی ایک چیز پر بس نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا وہی ہمہ گیریت انھیں تجربات کرنے پر اکساتی بھی تھی۔ جس کے نتیجے میں: "رانی کیتکی کی کہانی" اور "سِلک گوہر" دریافت ہوئے۔

حوالہ جات

۱۔ میر انشاء خاں انشاء دھلوی، کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی، کراچی انجمن ترقی اُردو پاکستان، طبع ثانی ۱۹۵۵، ص ۳

۲۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اُردو کی نثری داستانیں، کراچی، انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت سوم، ۲۰۱۴، ص ۴۱۷

۳۔ آرزو چودھری، داستان کی داستان، لاہور، عظیم اکیڈمی اُردو بازار، بار اول، ۱۹۸۸، ص ۴۱۶

۴۔ انشاءاللہ خاں انشاء، انشاء کی دو کہانیاں، مرتبہ انتظار حسین، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص ۹۶

۵۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اُردو کی نثری داستانیں، کراچی، انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت سوم، ۲۰۱۴، ص ۳۴۵